
اشرف التفاسیر
تفسیر نعیمی
حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مفتی
مصنف: احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار * لاہور

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ اول)
مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات ——— 720
کمپوزنگ ——— لیزر کمپوزنگ ان' سٹار سائنس مارکیٹ'
تکیہ اہلی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور
پرنٹر ———
ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ

غزنی سٹریٹ وسعت سیاں مارکیٹ 38۔ اردو بازار لاہور
Ph:7354851

کرنے اور درست کرنے کی توفیق مانگے تو صاف صاف تو نہیں کہتا۔ رب کی تعریفیں کرتا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ میرے اس نام لینے کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔ تو ہی اس بیڑے کو پار لگانے والا ہے۔ فقیر حقیر احمد یار خان اپنے رب قدیر کی بارگاہ میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ پیش کرتا ہے کہ مولا! کہاں مجھ جیسا ضعیف البیان انسان اور کہاں تفسیر قرآن تیرے ہی نام سے اور تیرے ہی بھروسے پر اس کام کو شروع کیا ہے تو ہی اس کو درست فرمانے والا ہے اور بخیر و خوبی انجام پہنچانے والا ہے۔ (ساتواں نکتہ) انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اپنی عاجزی اور کمزوری اور نیازمندی اور رب تعالیٰ کی قدرت اور رحمت اور بے نیازی پر نگاہ رکھے تاکہ بڑے سے بڑا کام کرنے پر بھی اس کے دل میں یہ غرور پیدا نہ ہو کہ میں نے اتنا بڑا کام کر لیا بلکہ یہ خیال رہے کہ جو کچھ کیا رب نے کیا اس کا فضل تھا کہ مجھ سے کرا لیا اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی جب کہ ہر وقت مولا کی طرف دھیان رہے لہٰذا جب کہ ہر کام کے شروع ہی میں بسم اللہ پڑھ لے گا تو انشاء اللہ کبھی اس میں "میں" نہ پیدا ہوگی بلکہ "تو ہی تو" میں فنا رہے گا۔ بسم اللہ کے حروف کے نکات۔ بسم اللہ کو 'ب' سے شروع کیا گیا اور اسم کے الف کو گرا دیا حالانکہ اقرا باسم ربک میں اگرچہ الف پڑھنے میں نہیں آتا مگر لکھنے میں آتا ہے اس کی وجہ کیا ہے اس میں چند حکمتیں ہیں۔

حکمتیں : پہلی حکمت: انسان نے عالم ارواح میں پیدا ہو کر سب سے پہلے لفظ بلٰے بولا تھا یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے عرض کیا بلٰے یعنی ہاں ہے تو سب سے پہلے انسان کے منہ سے ب نکلی رب تعالیٰ نے اپنے کلام کو ب سے شروع کیا تاکہ قرآن پاک پڑھتے ہی وہ عہد و میثاق یاد آجائے۔ دوسری حکمت: خدا پاک کا نام بر اور بار اور باری بھی ہے۔ اور یہ ب سے شروع ہوتے ہیں تو گویا اس میں رب تعالیٰ کے بہت سارے ناموں کی طرف اشارہ بھی ہو گیا۔ تیسری حکمت: نحوی قاعدے سے ب ملانے کے لئے آتی ہے اور قرآن کی تلاوت کرنے والا بھی رب سے ملنا ہی چاہتا ہے اور الف بے تعلقی چاہتا ہے اس لئے وصل کی حالت میں گر جاتا ہے تو یہ چونکہ ملنے کا وقت ہے اس لئے ب سے ابتداء کی گئی۔ چوتھی حکمت: ب میں انکسار ہے اور الف میں بلندی ہے لکھنے میں اور بولنے میں بھی لہٰذا بندے کے اظہار عاجزی کے لئے ب ہی مناسب ہے اسم جلال۔ بسم اللہ کہا گیا باللہ نہ کہا گیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ کے نام سے شروع کر رہا ہے کیونکہ ابھی بندے کی ابتدائی حالت ہے اولاً "نام" تک تو پہنچ لے بعد کو ذات تک پہنچے گا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات سے برکت اور مدد حاصل کی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے نام یعنی لفظ اللہ سے بھی برکت اور مدد حاصل کی جا سکتی ہے حالانکہ لفظ اللہ رب نہیں یہ تو کچھ حروف کا مجموعہ ہے جب الف ولام و الف اور ہ سے مدد اور برکت لینا جائز ہے تو اللہ کے پیاروں سے مدد لینا بھی بدرجہ اولیٰ جائز ہے کیونکہ وہ ان حرفوں سے تو کم نہیں۔ نکتہ مجھ سے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اسم اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نام پاک ہے جیسے کہ ذکر اللہ بھی حضور علیہ السلام کا نام ہے۔ دیکھو دلائل الخیرات شریف اور حضور علیہ السلام کو اسم اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسم وہ ہوتا ہے جو ذات کو بتائے اور ذات پر دلالت کرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اللہ کی ذات کو ظاہر کیا رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کا خالق ہے اور حضور علیہ السلام اس کے مظہر اتم۔

جب محمد ہوئے رسول اللہ تب کھلا لا الٰہ الا اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نیز یا قاعدہ نحوی اسم پر سارے فعل اعتماد کرتے ہیں اور وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ دیکھو مارا کا اعتماد زید پر ہے نہ کہ زید کا اعتماد مار پر یعنی زید ہو تو "مار" پائی جائے نہ یہ کہ مار افعل ہو تو زید پایا جائے اسی طریقے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

سارے عالم کا احتیاج ہے بلکہ احتیاج کو بھی آپ پر احتیاج ہے لیکن آپ کو بجز پروردگار کی ذات کے کسی پر احتیاج نہیں۔ نیز بقاعدہ نحوی اسم فعل کا محتاج نہیں بلکہ فعل اسم کا حاجت مند ہے یعنی فعل بغیر اسم کے ملے ہوئے جملہ (پوری بات) نہیں بن سکتا اور اسم بغیر فعل کے جملہ بن سکتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں کسی کے حاجت مند نہیں بلکہ سارا عالم ان کا محتاج ہے کہ وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بقاعدہ تصوف کہاں کا اسم اور کہاں کا فعل یہ سب اعتبارات ہیں اصل حقیقت محمدیہ ہی ہے۔ یہ سب اس کے پرتو (سائے) ہیں اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے وہی اصل عالم و دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے

پانی ایک ہی ہے مگر الگ الگ اعتبارات سے الگ الگ نام کنارہ، دھار، پاٹ، موج، نہر، نالہ، دریا، سمندر وغیرہ فرماتے ہیں

وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا وہ نہ ہو تو باغ میں سب فنا!
وہی جان ہے جان سے ہے بقا وہی بن ہے بن ہی سے بار ہے

فرماتے ہیں۔

بادب جھکا لو سر ولا کہ میں نام لوں گل و باغ کا
گل تر محمد مصطفیٰ چمن ان کا پاک دیار ہے!

یہ بہت اچھی تاویل ہے اور کسی قاعدہ شرعیہ کے خلاف نہیں۔ اب آگے جو الرحمان اور الرحیم آ رہا ہے وہ یا تو اللہ کی صفت ہو یا لغوی معنی میں اسم اللہ کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور حضور علیہ السلام کو رحیم تو قرآن نے فرمایا ہے رہا لفظ رحمن اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مدارج میں فرمایا کہ حضور تمام صفات الٰہیہ سے موصوف ہیں۔

نیز قرآن نے فرمایا **و ما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین** "تفسیر کبیر" کے شروع میں بسم اللہ کے ماتحت ہے کہ حق تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں جن میں سے ایک ہزار کو ملائکہ جانتے ہیں۔ اور ایک ہزار صرف انبیاء کرام اور باقی ایک ہزار میں سے تین سو نام توراۃ شریف میں اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ننانوے نام قرآن پاک میں ہیں اور ایک نام وہ ہے جس کو صرف حق تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن بسم اللہ میں حق تعالیٰ کے جو تین نام آئے ان تین میں ان تین ہزار کے معنی پائے جاتے ہیں لہذا جس نے ان تین ناموں سے حق تعالیٰ کو یاد کر لیا گویا اس نے تمام ناموں سے اس کو یاد کیا ان تمام ناموں میں لفظ اللہ حق تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور باقی اسمائے صفاتیہ ذاتی نام اسے کہتے ہیں جو کہ صرف ذات کو بتائے اور صفاتی نام وہ کہلاتے ہیں جو کہ ذات کے ساتھ صفت کی طرف بھی اشارہ کریں جیسے ایک آدمی کا نام عبداللہ خان ہے لیکن وہ مولوی بھی ہے اس واسطے اسے عالم کہتے ہیں اور چونکہ قرآن پاک بھی اس نے حفظ کیا ہے لہذا اسے حافظ بھی کہتے ہیں قراۃ بھی سیکھی ہے اس واسطے اس کو قاری بھی کہتے ہیں۔ زمین کا مالک بھی ہے لہذا اس کو زمیندار بھی کہتے ہیں تو عبداللہ تو اسکا ذاتی نام ہوا کیونکہ اس نے فقط اس کی ذات کو بتایا علم اور قراۃ اور حفظ وغیرہ کی طرف اشارہ نہ کیا اور دوسرے نام اس کے صفاتی نام ہیں اس طرح اللہ فقط اس کی ذات کو بتاتا ہے اور باقی علیم، قدیر، رحمان اور رحیم وغیرہ اس کی صفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسم ذات کی پہچان چند ہیں ایک تو یہ کہ وہ نام والے کے ساتھ خاص ہو دوسرے کی اس میں شرکت نہ ہو۔ دیکھو جو بھی علم سیکھ لے اسے عالم اور جو بھی قرآن پاک حفظ کر

لے اسے حافظ کہا جائے گا لیکن اس علم اور حفظ کی وجہ سے کسی کو عبداللہ خان نہ کہا جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کے بعض صفاتی نام رؤف، رحیم وغیرہ غیر اللہ کے لئے بھی استعمال فرمائے گئے لیکن اللہ کسی کو نہ کہا گیا۔ دوسرے یہ کہ اسم ذات کبھی کسی اسم کی صفت بن کر نہیں آتا بلکہ صفتوں کا موصوف بن کر آتا ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ خان عالم فاضل، حاجی، قاری ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ حاجی صاحب عبداللہ خان ہیں اسی طرح قرآن پاک میں ہر جگہ لفظ اللہ موصوف بن کر تو آیا مگر کسی اسم کی صفت نہ بنا تیسری پہچان یہ ہے کہ اسماء صفات میں زیادتی کمی کا احتمال ہوتا ہے مگر اسم ذات میں یہ احتمال نہیں مثلاً یہ کہہ سکتے کہ فلاں شخص فلاں شخص سے زیادہ عالم ہے اس سے زیادہ قاری اس سے زیادہ مالدار لیکن یہ نہیں کہہ سکتے اس سے زیادہ عبداللہ ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے دوسرے بعض ناموں میں تفضیل وغیرہ کے صیغے بن سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ عالم بھی اور علام بھی قادر اور قدیر بھی ہے لیکن لفظ اللہ کہ نہ تفضیل بنے نہ مبالغہ اور نہ صفت شبہ وغیرہ اس فرق کا بہت خیال چاہئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اللہ کسی اور لفظ سے بنا ہے یا نہیں (مشتق ہے یا جامد) بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ مشتق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جامد۔ مشتق کہنے والے فیصلہ یقینی نہ کر سکے کہ کس لفظ سے مشتق ہے بعض نے فرمایا کہ الہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں سکون اور چین اور قرار چونکہ حق تعالیٰ کے ذکر سے سب کو چین اور قرار آتا ہے اس لئے اس کا نام اللہ ہے۔ یا اس لئے کہ ہر ممکن چیز واجب پر ختم ہوتی اور قرار پکڑتی ہے تو تمام عالم کے متعلق سوال ہو سکتا ہے کہ اس کو کس نے بنایا لیکن اللہ کے متعلق یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اس کو کس نے بنایا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ لفظ ولہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں حیرانی چونکہ تمام مخلوق اس کی ذات و صفات میں حیران ہے مومن تو جہالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہیں اور واصلین الی اللہ بجز تجلیات نورانی کچھ نہ پا سکے اور اس کی حقیقت کو نہ پہنچ سکے کہ آفتاب ہے۔

حیرت اندر حیرت آمد حیرت اندر حیرت است ہست یا حیرت سراپا کار در سرکار ما!

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ لاالہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں بلندی چونکہ حق تعالیٰ کی ذات تمام ممکنات سے بلند و بالا تر ہے اس لئے اس کو اللہ کہا جاتا ہے بعض کہتے ہیں لاہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی حجاب کے ہیں (یعنی پردہ) چونکہ حق تعالیٰ کی ذات نظر، خیال، گمان، وہم، عقل، سب سے وراء ہے اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم و زہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

لطف یہ ہے کہ اللہ کی ذات زیادتی ظہور کی وجہ سے چھپ گئی اور کمال نور کی وجہ سے نظر نہ آسکی۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار اس پہ گھونگٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

بعض فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ اس الہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں عاجزی و زاری کرنا ہے چونکہ تمام بندے اس کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرتے ہیں لہٰذا اسے اللہ کہتے ہیں کبھی کبھی انسان اسباب پر نظر کر لیتا ہے لیکن پھر اس کی انتہا مسبب الاسباب پر ہی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لفظ اللہ اس الہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں گھبرا کر آنا چونکہ تمام مخلوق ہر مصیبت میں آخرکار رب کی طرف پناہ پکڑتی ہے اس لئے اس کا نام اللہ ہے صاحب تفسیر کبیر نے اسی معنی کے ماتحت فرمایا کہ مقروض قرض خواہ کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ لیکن پروردگار ایسا کریم ہے کہ اس کے مقروض بندے اسی کی بارگاہ کی طرف بھاگتے ہیں۔ بلکہ وہ خود بلا رہا ہے فرماتا ہے ففروا الی اللہ (بھاگ کر آؤ اللہ کی طرف) بادشاہ و مالدار فقراء سے اپنے دروازے بند

کرتے ہیں ہاں گر فقیر ہمارے پاس نہ آئیں لیکن رب تعالیٰ وہ غنی ہے جس کا دروازہ ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلا ہے اور تو مانگتے ہیں مگر وہ اپنے دروازے کی طرف بلاتا ہے۔ فرماتا ہے **ادعونی استجب لکم** (اے بندو مجھ سے مانگو میں تمہاری بات مانوں گا)

حکایت: دو بھائی تھے۔ ایک متقی پرہیزگار دوسرا فاسق و بدکار جب فاسق مرنے لگا تو متقی بھائی نے کہا دیکھا تجھے میں نے بہت سمجھایا مگر تو اپنے فسق و فجور سے باز نہ آیا اب بول تیرا کیا حال ہو گا اس نے جواب دیا کہ اگر قیامت کے روز میرا رب میرا فیصلہ میری ماں کے سپرد کر دے تو بتاؤ کہ ماں مجھے کہاں بھیجے گی۔ دوزخ میں یا جنت میں پرہیزگار بھائی نے کہا کہ ماں تو واقعی جنت میں بھیجے گی گنہگار نے جواب دیا کہ میرا رب میری ماں سے زیادہ مہربان ہے یہ کہا اور انتقال ہو گیا۔ بڑے بھائی نے خواب میں اسے نہایت خوشحال دیکھا۔ مغفرت کی وجہ پوچھی کہا کہ میری اسی مرتے وقت کی بات نے میرے تمام گناہ بخشوا دیئے۔

ہم گنہ گاروں پہ تیری مہربانی چاہیئے سب گنہ دھل جائیں گے رحمت کا پانی چاہیئے

اسی وجہ سے اس کو اللہ کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے مشتق نہیں جیسے اس کی ذات کسی سے نہیں بنی ایسے ہی اس کا نام کسی لفظ سے نہیں بنا سبحان اللہ! جب اس کے نام میں اتنی حیرانی ہے تو کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے رب کی حقیقت کو پا لیا۔

لفظ اللہ کی خصوصیات : تفسیر کبیر شریف میں بسم اللہ کی تفسیر میں فرمایا کہ لفظ اللہ میں چند خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ اللہ رب کی ذات پر دلالت کرنے میں حرفوں کا محتاج نہیں الف کو گرا دو تو للہ رہتا ہے۔ وہ بھی ذات کو بتا رہا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے **وللہ جنود السموات والارض** اگر اس کا پہلا لام بھی گرا دو تو لہ کی شکل پر رہتا ہے یہ بھی اسی ذات کو بتا رہا ہے فرماتا ہے لہ الملک ولہ الحمد اگر دوسرا لام بھی گرا دیں تو فقط ہاباقی رہتا ہے۔ وہ بھی ذات کو بتا رہا ہے۔ **لا الہ الا ھو** جس طرح سے کہ اس کا نام حروف کا محتاج نہیں ایسے ہی اس کی ذات کسی کی محتاج نہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے دوسرے اسماء خاص خاص صفتوں پر دلالت کرتے ہیں لیکن لفظ اللہ ساری صفتوں پر جس نے اللہ کہہ کر پکار لیا اس نے گویا ساری صفتوں سے پکارا کیونکہ اللہ وہی ہے جس میں ساری صفتیں موجود ہوں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں لفظ اللہ ہی داخل ہے جس کو پڑھ کر کافر مومن بنتا ہے اگر کوئی لاالہ الا الرحمٰن کہہ دے یا اس کے دیگر سارے اسموں سے کلمہ پڑھ لے مومن نہ ہو گا مگر لاالہ الا اللہ کہتے ہی دولت ایمان سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ لفظ محمد میں قریب قریب یہ ساری خصوصیتیں موجود ہیں اور اس میں بہت عجیب عجیب نکات موجود ہیں لیکن یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں صرف ایک نکتہ عرض کرتا ہوں لفظ "اللہ" بولو تو ہونٹ ملتے نہیں۔ مگر لفظ "محمد" کے بولتے ہی نیچے کا ہونٹ اوپر والے سے دوبارہ مل جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا نام نیچوں کو اوپر والے سے ملانے والا ہے اور ان کی ذات مخلوق کو خالق سے ملانے والی ہے تو ان کا نام ان کے کام کو بتا رہا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خصوصیات انشاء اللہ کسی اور جگہ بیان کی جائے گی الرحمٰن الرحیم لفظ رحمٰن اور رحیم 'رحم' سے بنا ہے اور رحم کے معنی ہیں دل کا نرم ہونا اور کسی پر مہربانی کرنا عورت کی بچہ دانی کو اس لئے رحم کہتے ہیں کہ وہ اپنے پیٹ کے بچے پر بہت مہربان ہوتی ہے اور بچہ اس سے بہت انس رکھتا ہے۔ نیز جن لوگوں کا آپس میں رحمی رشتہ ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں۔ بھائی بھتیجے بھانجے یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں ذی رحم کہتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ دل وغیرہ سے پاک ہے اس لئے یہاں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ فضل و احسان فرمانے والا۔ اب رحمٰن اور رحیم کے معنی میں چند

طرح کا فرق ہے۔ ایک تو یہ کہ رحمان کے معنی سب پر عام رحم فرمانے والا اور رحیم کے معنی خاص خاص پر خاص رحم فرمانے والا۔ دیکھو ہوا' پانی' سورج کی روشنی وغیرہ بلا فرق سب کو عطا فرمائی۔ یہاں رحمانیت کی جلوہ گری ہے۔ لیکن حکومت' دولت' ولایت' نبوت یہ سب کو نہ دیئے بلکہ خاص خاص کو دیئے۔ ان میں رحیم کے معنی کا ظہور ہے دوسرے یہ کہ دنیا میں دوست اور دشمن مسلمان اور کافر سب کو اپنی رحمتوں سے نوازڈالا یہاں صفت رحمان کا ظہور ہے مگر آخرت میں خاص خاص مسلمانوں پر رحم اور دشمنوں پر قہر ہوگا تو وہاں صفت رحیم کا ظہور ہوگا تیسرا اس طرح کہ بڑی بڑی نعمتیں سلطنت' حکومت' زمین جنت اسی سے مانگی جاتی ہے اور وہی دیتا ہے اور چھوٹی چھوٹی نعمتیں بھی اس سے طلب کی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ خدایا میرا تسمہ ٹوٹ گیا تو عطا فرما تو بڑی نعمتوں کے لحاظ سے رحمان اور چھوٹی نعمتوں کے لحاظ سے رحیم اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر بڑے بادشاہ سے چھوٹی چیز مانگی جائے تو اس کو ناگوار ہوتی ہے کہ اس میں میری توہین ہوگئی اور اگر معمولی مالدار سے بڑی چیز مانگی جائے تو وہ اس کے دینے سے عاجز ہوتا ہے یہ رب تعالیٰ کی ہی شان ہے جو چھوٹی بڑی ہر چیز عطا فرماتا ہے اور کسی چیز کے مانگنے میں ناراض نہیں ہوتا۔ چوتھا فرق یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض نعمتیں بلاواسطہ اور بعض کسی واسطے سے عطا فرمائی ہیں۔ دیکھو ہم کو جان ملی بغیر ماں باپ کے وسیلے سے مگر جسم اور جسم کی ضروریات ماں باپ اور دوسرے بندوں کے واسطے سے ملی ہیں۔ اسی طرح پانی' ہوا' دھوپ اور چاندنی وغیرہ بغیر کسی واسطے کے عطا فرمائی گئیں۔ لیکن غذا اور دوا لباس وغیرہ بندوں کے واسطے سے عطا فرمایا تو بلاواسطہ نعمتوں کے لحاظ سے اس کو رحمان اور بالواسطہ کے لحاظ سے رحیم کہا جاتا ہے پانچواں فرق یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض نعمتیں ہمیشہ کے لئے عطا فرمائیں جیسے جان اور ایمان اور عبادات اور نیکیاں اور آخرت کی نعمتیں اور بعض نعمتیں عارضی ہیں جو چند روز کے لئے عطا فرمائی گئیں بعد میں ہمارے پاس نہ رہیں گی جیسے کہ دنیوی زندگی کی ضروریات وغیرہ پہلی نعمتوں کے لحاظ سے اس کا نام رحمان اور دوسری نعمتوں کے لحاظ سے رحیم نکتہ:- حق تعالیٰ نے بسم اللہ میں اپنے اسم ذات کے ساتھ رحمت کی دو صفتوں کو بیان فرمایا اس لئے کہ اللہ کے نام میں ہیبت تھی اور رحمان اور رحیم میں رحمت۔ اللہ کا نام سن کی نیک بندوں کو بھی کچھ عرض معروض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن رحمان اور رحیم سن کر ہر مجرم اور خطاکار کو بھی عرض کرنے کی ہمت پڑی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے جلال کے مقابلے میں کون دم مار سکتا ہے اور ظہور جمال کے وقت ہر ایک ناز کر سکتا ہے۔ تفسیر کبیر شریف میں اس کے ماتحت ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ ایک سائل ایک بہت بڑے مالدار کے عظیم الشان دروازے پر آیا اور کچھ سوال کیا مکان میں سے معمولی سی چیز آئی۔ فقیر نے لے لی اور چلا گیا دوسرے دن ایک بہت مضبوط پھاوڑا لے کر آیا اور دروازہ کھودنے لگا مالک نے پوچھا یہ کیا کرتا ہے فقیر نے کہا یا تو عطا کو دروازے کے لائق کر یا دروازہ عطا کے لائق کر یعنی جب دروازہ اتنا بڑا بنایا ہے تو ضروری ہے کہ بڑے دروازے سے بڑی ہی بھیک ملا کرے کیونکہ عطا دروازے اور نام کے لائق ہونی چاہئے۔ ہم فقیر گنہ گار بندے بھی عرض کرتے ہیں اے مولا! ہم کو ہمارے لائق نہ دے بلکہ اپنے جود و سخا کے لائق دے۔ بیشک ہم گنہ گار ہیں لیکن تیری غفاری ہماری گنہ گاری سے بڑی ہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے عفو تیرے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

حق تعالیٰ کے نام ہیں توقیفی یعنی شریعت میں جو نام ہے اسی نام سے اس کو یاد کیا جائے اپنی طرف سے حق تعالیٰ کا نام تجویز نہیں کیا جاسکتا لہذا خدا کو رام یا پرمیشور یا گاڈ وغیرہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ نام شریعت سے ثابت نہیں ہاں خدا کی صفتوں

کو اپنی زبان سے جس طرح چاہئیں بیان کریں۔ مثلاً اس کو پروردگار یا خدا یا اللہ پاک کہیں یہ الفاظ رب کے نام نہیں بلکہ اس کی صفات کے ترجمے ہیں لفظ خدا مالک کا ترجمہ ہے اور پروردگار رب کا۔

بسم اللہ کے فضائل اور فوائد : بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں جن میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ پاک کی کنجی ہے بلکہ ہر دنیوی اور دینی جائز کام کی بھی کنجی ہے کہ جو کام اس کے بغیر کیا جائے ناقص رہتا ہے دوسرے یہ کہ تفسیر روح البیان شریف نے بسم اللہ کے ماتحت ایک حدیث نقل فرمائی کہ جب حضور علیہ السلام معراج میں تشریف لے گئے اور جنتوں کی سیر فرمائی تو وہاں چار نہریں ملاحظہ فرمائیں ایک پانی کی' دوسری دودھ کی' تیسری شراب کی اور چوتھی شہد کی جبریل امین سے دریافت کیا کہ یہ نہریں کہاں سے آ رہی ہیں حضرت جبریل امین نے عرض کیا کہ مجھے اس کی خبر نہیں دوسرے فرشتے نے عرض کیا کہ ان چاروں کا چشمہ میں دکھاتا ہوں ایک جگہ لے گیا وہاں ایک درخت تھا جس کے نیچے ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور دروازے پر قفل پڑا تھا اور اس کے نیچے سے یہ چاروں نہریں نکل رہی تھیں ارشاد فرمایا دروازہ کھولو عرض کیا اس کی چابی میرے پاس نہیں بلکہ آپ کے پاس ہے یعنی بسم اللہ الرحمان الرحیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر قفل کو ہاتھ لگایا دروازہ کھل گیا اندر جا کر ملاحظہ فرمایا کہ اس عمارت میں چار ستون ہیں اور ہر ستون پر بسم اللہ لکھی ہے اور بسم اللہ کے میم سے پانی جاری ہے اللہ کی ہ سے دودھ جاری ہے' رحمان کی میم سے شراب اور رحیم کی میم سے شہد اندر سے آواز آئی۔ "اے محبوب علیہ السلام! آپ کی امت میں سے جو شخص بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھے' وہ ان چاروں کا مستحق ہوگا"۔ تیسرے یہ کہ تفسیر کبیر شریف میں اسی بسم اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فرعون نے خدائی کے دعوے سے پہلے ایک مکان بنایا تھا اور اس کے بیرونی دروازے پر بسم اللہ لکھی تھی۔ جب دعویٰ خدائی کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تبلیغ اسلام کی اور اس نے قبول نہ کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے حق میں بددعا کی وحی آئی۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) یہ ہے تو اسی قابل اس کو ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کے دروازے پر بسم اللہ لکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچا ہوا ہے"۔ اسی وجہ سے فرعون پر گھر میں عذاب نہ آیا بلکہ وہاں سے نکال کر دریا میں ڈبویا گیا سبحان اللہ جب ایک کافر کا گھر بسم اللہ کی وجہ سے عذاب سے بچ گیا تو اگر کوئی مسلمان اس کو اپنے دل و زبان پر لکھ لے تو کیوں نہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ مگر خیال رہے کہ ان الفاظ کی بے ادبی نہ ہونے پائے۔

تفسیر عزیزی میں بسم اللہ کے فوائد میں لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں بسم اللہ لکھ کر رکھ دینا لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قیامت کے دن میری دستاویز ہوگی۔ جس کے ذریعہ سے میں رحمت الٰہی کی درخواست کروں گا تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ بسم اللہ میں انیس حروف ہیں اور دوزخ پر عذاب کے فرشتے بھی انیس ہیں پس امید ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کی برکت سے ایک ایک فرشتے کا عذاب دور ہو جائے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے پانچ گھنٹے پانچ نمازوں نے گھیر لئے۔ اور انیس گھنٹوں کے لئے بسم اللہ کے انیس حروف عطا فرمائے گئے جو بسم اللہ کا ورد کرتا رہے انشاء اللہ اس کا ہر گھنٹہ عبادت میں شمار ہوگا اور ہر وقت کے گناہ معاف ہوں گے۔